آیت اللہ امام خمینی کی کتاب "حکومت اسلامیہ" کا دیباچہ

اسلامی انقلاب کی نفیر

ترجمہ: جناب محمد نصر اللہ خان خازن

(۱)

"ولایت فقیہ" ایک واضح علمی نظریہ ہے جس کے لیے کسی دلیل و برہان کی چنداں حاجت نہیں ہے خصوصاً ہر وہ شخص جو اسلام کے عقاید و احکام کو اچھی طرح سمجھتا ہو، اُس پر یہ حقیقت پوری طرح واضح ہے۔ لیکن آج مسلم معاشرے اور ہمارے علمی اداروں کی ساخت و پرداخت خاص کر اس نوعیت کی ہے کہ یہ حقیقت عام لوگوں کے اذہان سے اوجھل ہو چکی ہے اور ہمیں آج پھر اسے لوگوں کے ذہن نشین کرانے کے لیے دلیل و برہان کی ضرورت ہے۔

تحریک اسلامی کو ہمیشہ یہودیوں کے ہاتھوں ابتلاء و آزمائش سے گزرنا پڑا ہے۔ یہودیوں نے اوّل روز ہی سے اسلام کے خلاف اپنی معاندانہ سرگرمیاں جاری کر رکھی ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ اسلام کی اعلیٰ دعوت اور پاکیزہ تعلیمات کو مسخ کر کے پیش کیا ہے۔ اس کے خلاف تعصب و افترا پردازی کے تیر برسائے ہیں۔ اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ ماضی میں ایک طویل دَور ایسا گزرا ہے جس میں بہت سی ایسی جماعتیں اور ایسے گروہ عالمِ ظہور میں آئے جنہوں نے اسلام کی ہیئت اجتماعی اور تنظیم سیاسی کو اتنا بڑا نقصان پہنچایا ہے جو شیطان اور اُس کی ذرّیت کے پہنچائے ہوئے نقصان سے بھی کہیں زیادہ ہے۔

یہ وہ دور ہے جس میں استعماری طاقتوں نے ہر طرح کی گمراہی و ضلالت سے لیس ہو کر عالمِ اسلام پر حملہ کر دیا اور اپنے مکروہ عزائم کی تکمیل کے لیے ایسے حالات پیدا کیے جن میں اسلام کی تمام اقدار کو ملیامیٹ کیا جا سکے۔ گذشتہ تین صدیوں سے استعماری طاقتوں کی یہ مساعی اپنے عروج پر ہیں۔ بظاہر یہ طاقتیں اپنی یہ سرگرمیاں مسلمانوں کی اجتماعی فلاح و بہبود کے نام پر جاری رکھے ہوئے ہیں لیکن فی الحقیقت ان کے پیشِ نظر مسلمانوں کی معاشی زندگی میں ان کی مدد کرنا نہیں ہے ——— نہ ہی وہ مسلمانوں کی مخلصانہ امداد کرنا چاہتی ہیں ——— بلکہ وہ تو مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کر کے ان میں نظریاتی اور سیاسی اثر و نفوذ چاہتی ہیں۔ کیونکہ انہوں نے صلیبی جنگوں کے زمانہ ہی سے یہ حقیقت اچھی طرح سمجھ لی ہے کہ اُن کے مقاصد کی تکمیل میں جو سب سے بڑی رکاوٹ حائل ہے اور جس کی وجہ سے اُن کی سیاسی عمارت ریت کے ڈھیر پر کھڑی ہے وہ اسلام ہے، جس کی سیاسی و معاشرتی تعلیمات، جس کے اجتماعی و معاشی احکام اور جس کے دینی عقائد و نظریات اُن کے افکار و نظریات کے بالکل ضد ہیں۔ نیز ان کے سدِ راہ بننے والی چیز جذبۂ ایمان ہے جو اہلِ اسلام کے دلوں میں موجزن ہے۔ محض اسی لیے وہ اسلام کے خلاف تشکیک و ریب اور افترا و بہتان کے ہتھیاروں سے حملہ آور ہیں۔ اور عوام کی آنکھوں میں مکر و فریب کی خاک جھونک رہے ہیں۔ اور اسی مقصد کے لیے یہ استعماری طاقتیں عیسائی مشنریوں، مستشرق محققین اور ذرائع ابلاغ پر پانی کی طرح روپیہ بہا کر اُن کے ہاتھ مضبوط کر رہی ہیں۔ یہ سب لوگ ان استعماری قوتوں کے آلۂ کار بنے ہوئے ہیں۔ ان کا منتہائے مقصود سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ لوگوں کے سامنے اسلام کے حقائق کو مسخ کر کے اور اس کی تعلیمات میں تحریف کر کے پیش کیا جائے تاکہ عوام الناس بالعموم اور جدید تعلیم یافتہ لوگ بالخصوص اسلام سے برگشتہ ہو جائیں اور وہ کبھی بھی راہِ ہدایت نہ پا سکیں۔

اسلام دراصل ان مجاہدین کا نام ہے جو دنیا میں حق و انصاف کا بول بالا دیکھنا چاہتے ہیں، جو دُنیا میں حریت و آزادی کے علمبردار ہیں۔ جو کفار کو اہلِ ایمان پر کسی طرح غلبہ پانے کا موقع فراہم نہیں کرنا چاہتے۔ لیکن اعداءِ اسلام نے ہمیشہ اسلام کو اس کے بالکل برعکس رنگ میں پیش کیا ہے۔ انہوں نے عام لوگوں کے ذہنوں میں اس کی مسخ شدہ صورت نقش کی ہے اور علمی مراکز میں تشکیک و ریب کے بیج بوئے ہیں۔ در پردہ اُن کا مقصدِ وحید یہ رہا ہے کہ اہلِ ایمان کے دلوں میں ایمان کی جو ہلکی سی

چنگاری اب تک سلگتی رہ گئی ہے اُسے سرد کر دیں - اور ان کے اندر جذبۂ انقلاب ماند پڑ جائے۔ تاکہ مسلمان دُنیا میں ایسی حکومت کے قیام کے ذریعے اپنی قومی آزادی اور نفاذ شریعت کے لیے سعی نہ کرنے پائیں جو دُنیا میں اُن کے لیے عزت و وقار اور سعادت و برکت کا باعث بنے۔ کبھی انہوں نے یہ غلط فہمی پیدا کی کہ معاشرے کی اجتماعی زندگی اور اس کے اجتماعی مسائل سے اسلام کا کوئی تعلق ہے۔ نہ ان مسائل کے حل کے لیے کسی حکومت کے قیام سے کوئی سروکار۔ بلکہ اسلام تو محض انفرادی زندگی کے چند مسائل اور چند اخلاقی ضابطوں سے بحث کرتا ہے - اس کے علاوہ اس کے پاس اور کچھ نہیں ہے - افسوس ہے کہ اس طرح کی ہفوات کے بُرے اثرات نہ صرف یہ کہ عوام الناس پر پڑتے رہے ہیں۔ بلکہ جدید تعلیم گاہوں میں زیرِ تعلیم نوجوان نسل اور طالبانِ دینی علوم بھی اس زہر سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ نوجوان نسل غلط راہوں پر جہالت کی تاریکیوں میں بھٹکتی پھر رہی ہے۔ سچ ہے اسلام آج ہمارے اندر اسی طرح اجنبی ہو کر رہ گیا ہے جس طرح کہ غریب لوگ عوام میں اجنبی بن کر رہ گئے ہیں۔ اندازہ کیجیے کہ کل داعیانِ اسلام کو لوگوں کو اسلام سے روشناس کرانے میں کتنی مشکل پیش آئے گی۔ جب کہ استعمار کے کارندوں کی ایک جماعت نے پورے وسائل کے ساتھ اپنی ہفوات سے آسمان سر پر اُٹھا رکھا ہوگا اور حق کی آواز کان پڑی سُنائی نہ دے گی۔

میں چاہتا ہوں کہ حقیقی اسلام اور اس اسلام کے درمیان جو عوام کے ہاں معروف ہے، فرق واضح کرنے کے لیے آپ کی توجہ اس فرق کی طرف مبذول کروں جو ایک طرف قرآن اور کتبِ حدیث میں اور دوسری طرف قرآن و حدیث اور موجودہ فقہی کتب میں موجود ہے۔ قرآن اور حدیث دونوں اسلام میں قانون سازی کے اہم ترین مآخذ ہیں جو فقہ کی ان کتب سے نمایاں طور پر مختلف ہیں جو فقہاء و مجتہدین نے بعد کے ادوار میں تالیف کی ہیں - اس لیے کہ قرآن اور کتبِ حدیث میں زندگی کے جملہ پہلوؤں پر جامع ہدایات ملتی ہیں۔ چنانچہ آپ دیکھیے اجتماعی مسائل سے تعلق رکھنے والی آیات اُن آیات سے کئی گنا زیادہ ہیں جن کا تعلق محض عبادات سے ہے۔ دوسری طرف آپ حدیث کے بڑے بڑے مجموعوں کو ملاحظہ فرمائیں۔ کسی ایک میں بھی عبادات اور انسان کے تعلق باللہ سے بحث تین یا چار ابواب سے زیادہ نہ ہوگی۔ چند ابواب اخلاقیات کی بحث کے لیے مختص

ہوں گے۔ ورنہ اس کے علاوہ ان مجموعہ ہائے حدیث کا بہت بڑا حصہ اجتماعی اور معاشی مسائل، حقوقِ انسانی، مملکت کے انتظامی امور اور قیامِ امن و انصاف کے لیے دیوانی اور فوجداری قوانین پر مشتمل ہے۔

میں نوجوانانِ اسلام سے کہتا ہوں کہ آپ اسلام کے سپاہی ہیں۔ آپ کا فرض ہے کہ اس پر ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ غور کریں اور تحریر و تقریر اور سیرت و کردار میں سے جو وسائل بھی آپ کو میسّر ہوں اُن کے ذریعہ اسلامی قوانین اور اسلامی نظام کے تمام شعبوں سے لوگوں کو متعارف کرائیں۔ اسلامی نظام کے بارے میں عوام کے ذہنوں میں موجود شکوک و شبہات کو دُور کرنے کی سرتوڑ کوشش کریں۔ اس مقصد کے لیے اپنی پوری زندگیاں وقف کر دیں۔ لوگوں کو سمجھائیں کہ اوّل روز سے اسلام کو بحیثیت نظامِ زندگی نافذ کرنے میں کونسی مشکلات اور رکاوٹیں درپیش ہیں۔ وہ کونسی قوتیں ہیں جو شروع سے اس کی مزاحم ہیں۔ جن حقائق کا آپ کو علم ہے۔ وہ بلاکم و کاست لوگوں تک پہنچائیں۔ لوگوں کو دین کی دعوت اس انداز سے نہ دیں کہ وہ یہ سمجھ بیٹھیں کہ اسلام بھی موجودہ عیسائیت کی طرح کا ایک مذہب ہے، جس میں صرف فرد کا رشتہ خدا سے قائم کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور بس۔ یا یہ کہ مسجد اور کلیسا دونوں برابر ہیں ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

جس زمانے میں مغربی دنیا پر جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی سیاہ فام حبشی امریکہ میں جا کر بس رہے تھے۔ ایرانی اور رُومی شہنشاہیت مطلق العنانیت کے ساتھ عوام کی گردنوں پر مسلط تھی۔ ہموطنوں کے ساتھ نسلی امتیاز برتا جا رہا تھا۔ طاقت کے بل بوتے پر عوام کی آزاد مرضی اور رائے کے علی الرغم اور کسی قانونی حق اور جواز کے بغیر عوام پر حکومت کی جا رہی تھی۔ عوام ہمہ گیر استحصال کا شکار بن چکے تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اسلامی شریعت نازل فرمائی۔ اور ختمی رسالت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساری دُنیا کے سامنے قوانینِ شریعت کو پیش کیا تاکہ ان کے سایۂ عاطفت میں انسانِ کامل پروان چڑھ سکے۔ ظاہر ہے کہ ہر کام کے کچھ اصول و ضوابط ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش سے لے کر اس کی موت تک کے لیے ایسے قوانین و ضوابط وضع فرما دئیے ہیں جو اُس کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو نظم و ضبط، امن و سلامتی اور عدل و انصاف سے ہمکنار کر کے اس کی فلاح و کامرانی کے ضامن بن سکیں۔ چنانچہ جہاں عبادت کے مراسم مقرر کیے گئے ہیں، وہاں معاشرتی

اصول اور نظمِ مملکت کے خدوخال بھی وضع کیے گئے ہیں۔ اسلام میں لوگوں کے حقوق اور ان کی حفاظت کے لیے مقررہ قوانین کا معیار نہایت بلند ہے۔ اگر سب لوگ ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں اور ان قوانین کی پابندی کریں تو ہر شخص کی تکمیل ذات میں وہ قوانین ممد و معاون ثابت ہوں کیونکہ یہ قوانین حیاتِ انسانی کے جملہ شعبوں پر حاوی اور ہر پہلو سے مکمل اور جامع ہیں۔ دنیا کے مقننین نے اسلام کے احکام اور اس کے اجتماعی ادارات، اس کے معاشرتی اور تجارتی قوانین، اس کے ضابطہ ہائے دیوانی و فوجداری، اس کے نظامِ عدلیہ، اس کے بین الاقوامی ضوابط اور قوانینِ صلح و جنگ نیز راعی اور رعایا کے حقوق وغیرہ میں سے بہت کچھ اخذ کیا اور اپنے ہاں رائج کیا ہے۔ اسلام زندگی کے تمام مسائل کا حل پیش کرتا ہے اور اجتماعی نظام کو روبعمل لانے کے لیے ضروری احکام و ہدایات دیتا ہے، لیکن افسوس ہے کہ ہمارے عوام اور جدید تعلیم یافتہ لوگ بالخصوص اغیار کے اس پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے ہیں کہ "اسلام تو محض طہارت کی طرح کے چند انفرادی مسائل کے مجموعے کا نام ہے اور علمِ دین حاصل کرنے والے انہی موضوعات پر خصوصی توجہ دیتے ہیں اور اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں جانتے"۔

بلاشک یہ بات کسی حد تک درست ہے کہ دینی علوم کے بعض طالبان کے نزدیک صرف انہی مسائل کی اہمیت ہے۔ وہ وسیع معنوں میں تحصیلِ علم سے قاصر رہتے ہیں۔ اس طرح وہ اس وسعتِ علم اور وسعتِ نظر سے یکسر محروم رہتے ہیں، جس کا تقاضا ان کا مرتبہ و مقام اور حالات کی ضرورت کرتی ہے۔ یہی کوتاہی دشمنانِ اسلام کے لیے حصولِ مقاصد کا ذریعہ بنتی ہے۔ یہ چیز ان استعماری طاقتوں کے لیے باعثِ مسرت ہے جو صدیوں سے ہمارے علمی مراکز اور جامعات میں سہل انگاری، غفلت شعاری اور کوتاہ نظری کے بیج بو رہے ہیں، تاکہ اس غفلت و جہالت، بے شعوری اور لاعلمی کی حالت میں وہ ہمارے مسلمان ممالک سے تمام وسائل رزق اور ساری دولت و ثروت سمیٹ سکیں اور ہمیں اسلام اور اس کی برکات سے محروم کر سکیں۔

بسا اوقات یہ قوتیں اس طرح کا زہریلا پروپیگنڈا کرتی ہیں کہ "اسلام ایک ناقص اور از کار رفتہ (OUT OF DATE) نظامِ زندگی ہے۔ عدل و انصاف کے بارے میں اس کے احکام و قوانین جدید ترقی یافتہ حالات سے مطابقت نہیں رکھتے"۔ جب آپ بہ نظرِ غائر مطالعہ کریں گے

تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس مکر و فریب اور ہلاکت و گمراہی میں فرنگیت نواز حکمرانوں اور آئینی حکومت کے قیام کے بعد۔ جنہوں نے ایران میں مشہور سیاسی انقلاب اور آئینی حکومت کے قیام کے بعد ہمارے عوام و خواص میں اپنے نظامِ تعلیم کے ذریعہ غیر اسلامی اور وضعی قوانین کی مقبولیت کو فروغ دیا، ملک میں جب قانون اساسی یعنی دستور کا ابتدائی خاکہ بننے لگا تو ان حکمرانوں نے سب سے پہلے بلجیم کے سفیر کے توسط سے بلجیم کے قوانین کو اپنا لینے کا ارادہ کیا۔ ان میں سے کچھ "غیر خواہانِ قوم" اٹھے ——— میں اس وقت ان کا نام لینا مناسب نہیں سمجھتا ——— اور انہوں نے بلجیمی قوانین کی بعض خامیوں کی فرانسیسی اور انگریزی قوانین کے ذریعہ اصلاح و ترمیم کر کے ایک ایسا مسودۂ آئین مرتب کیا جس میں شاطرانہ طریقہ سے لوگوں کی آنکھوں میں دُھول جھونکنے کے لیے "اسلامی قوانین" کی پیوند کاری بھی کر دی گئی تھی۔ اس آئین میں ایسی دفعات رکھی گئیں جن کے ذریعے حکومت کے سارے اختیارات فردِ واحد کے ہاتھ میں دے دیے گئے تھے۔ گویا دستوری نظام بھی شہنشاہی نظام اور موروثی نظام ہی کا چربہ تھا جو بلجیم اور انگلستان سے درآمد کیا گیا تھا۔ جس کے بیشتر اجزاء مختلف یورپی حکومتوں کے دساتیر سے نقل کیے گئے تھے۔ یہ دستور کلیتہً اسلام کے خلاف اور اس کی رُوح اور مزاج سے قطعاً متصادم تھا۔

کیا اسلام میں شہنشاہیت یا موروثی حکومت یا ولی عہد کے تقرر کا کوئی جواز ہے؟ اسلام میں اس کی گنجائش کیسے ہو سکتی ہے؟ ہم یہ حقیقت اچھی طرح جانتے ہیں کہ شہنشاہی نظام اسلامی حکومت اور اسلام کے سیاسی نظام سے قطعاً مطابقت نہیں رکھتا۔ اسلام نے ملوکیت اور ولی عہدی کو باطل قرار دیا ہے۔ اسلام نے اپنے ابتدائی دَور ہی میں ایران، مصر، یمن اور رُوم کی بادشاہی حکومتوں کو شریعت حقہ کے خلاف قرار دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ہرقل شاہ روم اور شاہ فارس کو ایک نامہ گرامی لکھا تھا جس میں انہیں یہ دعوت دی گئی تھی کہ وہ لوگوں کو اپنا غلام بنانے سے باز رہیں اور انہیں اپنی آزاد فطرت پر چھوڑ دیں تاکہ وہ خدائے واحد کی عبادت و اطاعت کریں۔ کیونکہ حکومت و فرمانروائی کا حق صرف اسی کو حاصل ہے۔

ملوکیت اور اس کے زیر سایہ ولی عہدی اسلام کے نزدیک انتہائی مبغوض اور ناپسندیدہ طرزِ حکومت ہے جس کے مٹانے کے لیے حضرت امام حسین علیہ السلام نے اعلانِ جنگ کیا۔ آپ

یزید کی ولی عہدی اور حکومت کو اسلامی طرزِ حکومت کے خلاف سمجھتے تھے۔ اس کو بدلنے کے لیے آپ نے خود بھی عَلَمِ جہاد بلند کیا اور عوام کو بھی اس کی دعوت دی۔ کسی غیر اسلامی طرزِ حکومت کو اسلامی حکومت میں تبدیل کرنے کی یہ عملی کوشش تاریخی حیثیت رکھتی ہے جس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام میں موروثی بادشاہت کا کوئی جواز نہیں ہے۔ جب معترضین کے خیال میں کسی موروثی حکومت کو بدلنا ہی درست نہ ٹھیرا تو انہوں نے یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ "اسلام ایک ناقص دین ہے"۔ اس خامی اور نقص میں مزید اضافہ اس بات کا ہوا کہ اسلام تو سودی نظام کے قیام و رواج کا بھی مخالف ہے۔ قحبہ گیری کو رجسٹریشن اور لائسنسوں کے اجراء کے ذریعے باقاعدہ منظم کرنے اور شراب کی کشید اور فروخت کی منصوبہ بندی کے لیے کسی محکمہ کے قیام و انصرام سے بھی اُسے کوئی سروکار نہیں۔ اسلام میں ان بُرائیوں کے رواج کے لیے کوئی قانونی ضابطہ نہیں ہے، اس لیے اس کمی کو پورا کرنے کی غرض سے غیر ملکی استعمار کے پروردہ حکمرانوں کو ایسے قوانین بنانے کی ضرورت محسوس ہوتی جس سے وہ ان سب خرافات سے مستفید ہو سکتے۔ چنانچہ انہوں نے انگلستان، فرانس، بلجیئم اور امریکہ کے قوانین میں سے قوانین مستعار لیے۔ جنہیں انہوں نے غیر اسلامی طرزِ حیات اختیار کرنے میں ممد و معاون پایا۔ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ سب چیزیں شریعت اسلامی میں حرام ہیں۔ ہمارے لیے قابل فخر بات یہ ہے کہ اسلام میں اس طرح کی محرمات کے لیے بالخصوص کوئی محکمہ اور کوئی ادارہ نہیں ہے۔

برطانوی استعمار نے اس دستوری عہد کے اوائل میں دو مقاصد پر اپنی توجہ مرکوز رکھی۔ اوّلاً ایران میں روسی اثر و نفوذ کا استیصال اور ثانیاً اسلام کو تنفیذ و قانون سازی کے دائرے سے دُور رکھ کر اسلامی قوانین کی جگہ مغربی قوانین کی سعی اجراء و ترویج۔ مسلمان معاشرے میں غیر ملکی قوانین کی ترویج و تنفیذ کے نتیجے میں بہت سی مشکلات پیدا ہوئیں۔ چنانچہ ماہرین قانون و اجتماع اور اہلِ دانش محققین بلبلا اُٹھے۔ ان مغربی قوانین کی موشگافیوں کا عالم یہ ہے کہ ایران یا اسی طرح کے دوسرے مسلم ممالک میں جب کسی قانون دان کو کوئی مقدمہ عدالت میں پیروی کی غرض سے ملتا ہے یا کسی جج کی عدالت میں کوئی مقدمہ تصفیہ طلب آتا ہے تو وہ اپنی عمر کا بیشتر حصہ اس مشکل گتھی کو سلجھانے میں صرف کر دیتا ہے۔ ایک مرتبہ ایک چوٹی کے وکیل نے دوران گفتگو میں مجھے بتایا کہ وہ دو فریقین

کے درمیان کسی مقدمہ کو مختلف عدالتوں میں ساری عمر لڑسکتا ہے اور اسے بہ گمان غالب بھی ہے کہ اس کے بعد اس کا بیٹا اسی مقدمہ کو اسی طرح مختلف عدالتوں میں سالہا سال تک لڑتا ہے اور یہ سلسلہ کہیں جاکر نہ رکے۔

آج یہ حقیقت عالمِ واقعہ میں موجود ہے۔ اس سے مستثنیٰ صرف وہی با اثر لوگ ہیں جو دھوکہ، فریب، حیلہ سازی، عیاری اور رشوت جیسے ناجائز ذرائع سے اپنے مقدمات کے جلد فیصلے کرا لیتے ہیں ___ آج ہم دیکھتے ہیں کہ موجودہ عدالتی نظام اور قانونی ڈھانچہ لوگوں کے لیے حصولِ انصاف میں سہولت پیدا کرنے کے بجائے مشکلات پیدا کر رہا ہے۔ ایک مقدمہ جسے شرعی نظام دو یا تین دن میں نمٹا لیتا تھا اس پر آج بیس بیس سال کی مدت لگ رہی ہے۔ اس طویل مدت میں صبح و شام بار بار عدالتوں کے لاحاصل چکر کاٹ کر ایک جوان آدمی کے سیاہ بال بھی سفید ہو جاتے ہیں اس عدالتی چکر میں عوام بیچاروں کا حال بھی ان دوزخیوں کا سا ہے کہ جب بھی وہ اس سے نکل بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں اسی میں دوبارہ دھکیل دیے جاتے ہیں۔

کبھی یہ معترضین اپنے رسائل و جرائد میں یہ لکھتے ہیں کہ "اسلام کے قوانین بڑے سخت ہیں!" اور بعض تو پوری ڈھٹائی کے ساتھ یہ تک کہہ دیتے ہیں کہ "اسلام کے قوانین کی یہ سختی بدوی عربوں کی سخت مزاجی سے پیدا ہوئی ہے"۔ ان کے نزدیک عربوں کی سخت مزاجی ہی اسلامی قوانین کی سختی کا سبب ہے۔ مجھے ان لوگوں کے اندازِ فکر پر سخت تعجب ہوتا ہے۔ وہ خود قانون کی آڑ میں چند لوگوں کی موت کی سزا دے دیتے ہیں تاکہ عوام ہیروئن (HERDIN) سے احتراز کریں[1]۔ مجھے ابھی یہ بات پہنچی ہے کہ کچھ دیر پہلے دس آدمیوں کو ہیروئن کے استعمال پر موت کی سزا دے دی گئی ہے۔ پھر ایک اور شخص کو بھی یہی سزا دی گئی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ لوگ ہیروئن کے استعمال سے باز آجائیں۔ حالانکہ ان خلافِ انسانیت قوانین میں جنہیں وہ محض فتنہ و فساد روکنے کی خاطر جاری کرتے ہیں، انہیں کوئی سختی نظر نہیں آتی۔ اگرچہ میں ہیروئن کے استعمال کو جائز نہیں قرار دے رہا۔ تاہم میرے نزدیک یہ بات بھی درست نہیں کہ محض اس کے استعمال کی سزا موت ہو۔ بلاشک ہیروئن کے استعمال کی

[1] یہ معاملہ چونکہ اہلِ مغرب خصوصاً امریکہ کی خواہشات کے مطابق ہے اس لیے "سب اچھا" ہے۔

روک تھام انتہائی ضروری ہے اور اس مقصد کے لیے تعزیر بھی ضروری ہے۔ لیکن یہ تعزیر جرم کی سنگینی اور نوعیت کے مطابق ہونی چاہیے۔

تعجب کی بات ہے کہ شراب نوشی کے جرم میں ۸۰ کوڑے کی سزا تو سنگین معلوم ہوتی ہے، لیکن ہیروئن کے استعمال پر موت کی سزا دینے میں کوئی سنگینی نہیں! حالانکہ اکثر اجتماعی خرابیوں کی جڑ شراب نوشی ہے۔ سڑکوں پر گاڑیوں کے حادثات اور خودکشی کے سانحات حتیٰ کہ ہیروئن کی عادت ——— جیساکہ بعض کا خیال ہے ——— سب کا بنیادی سبب شراب نوشی اور نشہ آور اشیاء کا استعمال ہے۔ ان سب خرابیوں کے باوجود یہ شراب نوشی پر تو پابندی نہیں لگاتے اس لیے کہ ان کے مغربی آقاؤں نے اُسے مباح کر رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ آزادانہ طریقے سے اس کی خرید و فروخت کرتے ہیں۔ جب اسلام شراب نوشی کی سزا اسّی کوڑے دیتا ہے یا کسی غیر شادی شدہ زانی کو ۱۰۰ کوڑے لگاتا ہے یا کسی شادی شدہ مرد یا شادی شدہ عورت کو زنا کے جرم میں سنگسار کرنے کا حکم دیتا ہے تو یہ اسلام کو کوسنے لگتے ہیں اور چیخ پکار شروع کر دیتے ہیں کہ اسلام کی سزائیں بڑی وحشیانہ اور سنگین ہیں۔ اور یہ سنگینی عربوں کی سخت مزاجی سے منتقل ہو کر آئی ہے۔ حالانکہ اسلام میں فوجداری جرائم کی سزائیں تو محض اس عظیم امت کو ——— جو ہر طرف سے طعن و تشنیع کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے ——— بدکاری، فحاشی اور فتنہ و فساد جیسی اخلاقی بیماریوں سے پاک رکھنے کے لیے نافذ کی گئی ہیں۔ اب آپ خود دیکھ لیں۔ یہ بگاڑ یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ ہمارے نوجوان اس سیلاب میں بہے چلے جا رہے ہیں اور انتہائی پستی کی حد تک گر گئے ہیں۔ اس بگاڑ ہی نے ان کے گرنے کی راہ ہموار کی، پھر انھیں اس طرف دعوت دی۔ اس بگاڑ کی دلدل میں گرانے کے لیے انھیں ضروری سہولتیں فراہم کی گئیں۔ اب جب ان حالات میں اسلام نے آگے بڑھ کر اہلِ ایمان کی ایک جماعت کی موجودگی میں شراب نوشی کے رسیا کو کوڑے لگانے کا فیصلہ کیا تو یہ لوگ اس افترا پردازی پر اُتر آئے ہیں کہ اسلام تو سنگینی اور خشونت کا دوسرا نام ہے۔ لیکن اس کے برعکس ویت نام[۱] میں گزشتہ پندرہ سال سے ان علمبردارانِ تہذیب

(باقی بر صفحہ ۴۷)

[۱] نیز افغانستان میں بھی۔